ذوالفقار احمد
اسکالرپی ایچ۔ ڈی اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر محمد یار گوندل
استاد شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

اُردو کی منظوم داستان پر تنقیدی کُتب کا اجمالی جائزہ

Zulfiqar Ahmed
Scholar Ph.D Urdu, University of Sargodha.
Dr. Muhammad Yar Gondal
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sargodha.

Brief Analysis of Critical Books on Manzoom Myths of Urdu

This article presents introduction on the critical literature of "Urdu Manzoom Dastan". In this article the researcher tried to study different books regarding the Primary experience of Manzoom dastan critics. Syed M. Aqeel Rizvi's book "Urdu Masnavi ka Artqa" is an authentic book on the art of Manzoom dastan. This book explains the techniques of Masnvi, topics and qualities of masnvi. Dr Geyam Chand's "Urdu Masnvi Shumali Hind men" narrated the specific area of Masnvi. This book offers credible research material on Manzoom Dastan.The book "Urdu ki Manzoom dastane" by Dr. Farman Fateh Puri is the basic critical book on manzoom dastan. Abdulqadir Sarwari's book "Urdu Masnvi ka artqa" is historical Artqa and gradually Progress of language.The tradition of criticizing dastan's is not old. It started in 5th decade of 20th century.

Keywords: *Appearance of Poetry, Standard of Analysis of verse, Principles of Analysis of Masnvi, Manzoom Dastaan, Critical Books, History of Manzoom Myth, Historical Masnvi, Importance of Manzoom Myth.*

دنیا کی ہر زبان کی طرح اُردو میں بھی پہلے شاعری کا ظہور ہوا اور نثر نے بعد میں آنکھ کھولی۔ فارسی شاعری کا اہم محرک حصول زر اور قُربِ سلطانی کی خواہش تھا۔ اُردو میں شعر کہنے کا یہی مقصد رہا۔ لیکن زیادہ تر اشعار تقلیداً اور

تفریحاً کہے گئے۔ ابتدائی زمانے میں شعر کے متعلق کوئی تحریر نہیں ملتی۔ تاہم اُس زمانے کے شعرا کے ذہن میں شعر کے حسن وقبح کا جو معیار تھا۔ اس کا اظہار ضمنی طور پر مل جاتا ہے۔ غالباً اس قسم کا پہلا بیان ملا وجہی مثنوی قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) کے باب "در شرح شعر گوید" میں اس طرح ہے:

کتا ہوں تجھے پند کی بات
کہ ہے فائدہ اس منے دھات دھات
جو بے ربط بولے تو بیتاں پچیس
بھلا ہے جو یک بیت بولے سلیس
سلاست نہیں جس کیری بات میں
پڑیا جائے کیوں جر لیکر ہات میں
جسے بات کے ربط کا نام نیں
اُسے شعر کہنے سوں کچھ کام نیں (۱)

مذکورہ بالا اشعا سے حسب ذیل باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔ کلام کو سلیس اور مربوط ہونا چاہئے۔ بہت سے مہمل اور بے ربط اشعار کہنے سے ایک اچھا شعر کہنا بہتر ہے۔ زبان وبیان میں پیش رو اساتذہ کی پیروی کرنی چاہیے۔

اُردو شاعری کا جب شمالی ہند میں رواج ہوا تو اُس وقت اُردو شعرا کے پیش نظر وہی فارسی معیار تھا۔ چنانچہ فائز نے اُردو دیوان کے شروع میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں جہاں اور باتیں مذکور ہیں وہاں اُردو نظم کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔ شعر میں جدت اور لطافت ہو۔ قافیہ صحیح اور حشو وزوائد سے پاک ہو۔ الفاظ سادہ وشیریں اور عبارت عام فہم ہو۔

اُس زمانے میں سودا صرف شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں، بطور ناقد بھی ممتاز رہا ہے۔ تنقید کے موضوع پر سودا کی دو (۲) تصانیف ملتی ہیں۔ ایک عبرت الغافلین اور دوسری سبیل ہدایت۔ دیباچہ "سبیل ہدات" میں سودا نے شاعر کے لئے یہ امور لازم قرار دیئے ہیں۔ الفاظ سمجھ کر استعمال کرے۔ مضمون کے ربط اور لفظوں کے بر محل استعمال کا خیال رکھے۔ جب تک فنِ شعر سے آگاہی نہ ہو دوسروں پر انگلی نہ اُٹھائے۔

اُردو تنقید کے دوسرے دور میں تذکرے ہیں۔ تذکرے اس زمانے کے مذاق سخن اور طرز تنقید کے نمونے ہوسکتے ہیں۔ میرؔ کی جودت اور شعری صلاحیتوں کی قدر ہوئی۔ میرؔ کے نظریہ شاعری میں کچھ باتیں ہیں۔ جیسے ہر کلام میں خواہ نظم ہو یا نثر ربط کا ہونا اشد ضروری ہے۔ سادگی، صفائی اور بے تکلفی سے شعر میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ شاعری فن شریف ہے اور شعر کہنے کے لئے علمی لیاقت اور فنی معلومات سے آگاہی ہو۔ مذکورہ بالا بیانات سے معلوم

ہوتا ہے۔ کہ غدر سے پہلے کے اُردو شعرا اور ادبا میں کس قدر تنقیدی شعور تھا۔ دیباچوں اور نظموں میں اظہار نقد نے مستقل تذکروں سے جگہ بدل لی۔ اور اُردو تنقید نے میرؔ جیسے بے لاگ اور نکتہ رس نقاد کے ہاتھوں کافی بلند جگہ حاصل کی۔ قطب مشتری کے اشعار، فائز کے خطبے اور نکات الشعراء کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے۔ کہ اس ایک صدی میں اُردو تنقید نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کیں۔

مثنوی پر تنقید اور اس کے محاسن پر اجمالی گفتگو سب سے پہلے محمد حسین آزاد نے کی۔ آزاد نے افسانوی مثنوی کے لئے ایک اہم شرط لگائی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"مثنوی حقیقت میں ایک سرگزشت یا بیان ماجرا ہے۔ جسے تاریخ کا شعبہ سمجھنا چاہیے۔
اس لیے اس کی گفتگو نہایت سلیس ہو۔ جس طرح باتیں کرتے ہیں"[۲]

داستان چونکہ کہنے اور سننے سنانے کا فن ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو کچھ کہا جائے۔ انتہائی آسان، واضح اور عام فہم زبان میں ادا کیا جائے۔ تاکہ سننے والے کے ذہن پر اثر ہو صنف مثنوی پر نظریاتی اور اصولی تنقید بہت شاذ ہے۔ اُردو میں اصولی تنقید کا آغاز حالیؔ سے ہوتا ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں مثنوی کو پرکھنے کے اصول بھی وضع کیے ہیں۔ حالیؔ کے پیش نظر کوئی نمونہ نہ ہونے کے باوجود یہ اصول حالیؔ کے ذہن کی اُپ ہیں۔ یہ اصول حسب ذیل ہیں۔

"بہر حال مثنوی میں ربط کلام کا لحاظ رکھنا خاص کر جب کہ اُس میں تاریخ یا قصہ بیان کیا جائے نہایت ضروری ہے۔ (۲) جو قصہ مثنوی میں بیان کیا جائے اس کی بنیاد ناممکن اور فوق العادت باتوں پر نہ رکھی جائے۔ (۳) مثنوی کے قصہ میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف نہ ہو اور ایک بیان دوسرے بیان کی تکذیب نہ کرے۔ (۴) مثنوی میں انتہا درجہ کا مبالغہ ہونا چاہیے۔ اور قصہ گوئی میں مقتضائے حال کے مطابق کلام ہو۔ (۵) مثنوی میں واقعات رمز و کنایہ میں بیان کرنا مستحسن ہے"[۳]

حالیؔ کے بعد مولانا شبلی نعمانی نے شعر العجم کی جلد چہارم میں فردوسی کے شاہنامہ پر ریویو کرتے ہوئے مثنوی کی تنقید کے لیے درج ذیل اصول قائم کیے۔ ۱۔ حُسن ترتیب ۲۔ کیریکٹر ۳۔ کیریکٹر کا اتحاد ۴۔ واقعہ نگاری

ڈاکٹر گیان چند جین نے مذکورہ ناقدین کے تنقیدی معیارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مثنویوں کے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔ جس میں حسن تعمیر، زبان و بیان، کردار نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری اور ہم عصر تہذیب کی مُرقع نگاری وغیرہ شامل ہیں۔

حالیؔ اور شبلی تک متعدد شعرا اور ادبا نے شعر کی پرکھ کے اصول متعین کیے ہیں۔ جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مقدمات، اشعار، خطبات اور ریویوز میں مثنوی کی تنقید نے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ اب مثنوی پر تنقید کے ضمن میں خاصی کتابیں وجود میں آچکی ہیں جن کا تذکرہ یہاں زمانی ترتیب کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔

سید محمد عقیل رضوی کی نگارش "اُردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں ۱۷۵۰ء سے ۱۹۵۰ء تک "منظوم داستان پر تنقید کے ضمن میں خشت اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مذکورہ کتاب میں مثنوی کے مخصوص دور کا ارتقا پیش کیا گیا ہے۔ سید محمد عقیل مثنوی کی تعریف، ٹکنیک اور موضوعات زیر بحث لاتے ہیں فارسی مثنوی کی ابتدا، شمالی ہند اور دبستان لکھنو کی مثنویوں کا جائزہ لیا ہے۔ مثنوی پر تنقید جدید اور ترقی پسند دور کے موضوعات کے تناظر میں سامنے لائی گئی ہے۔ جیسے سردار جعفری کی مثنوی "خانہ جنگی" سیاسی ہے۔ مثنوی پر تنقید کرتے ہوئے زبان و بیان میں مستعمل خاص پہلو کو سامنے لانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ جیسے محسن کاکوروی کی مثنویوں میں موجود تلمیحات کا تذکرہ کیا گیا۔ محسن کی مثنویوں میں تلمیحات اعلیٰ پائے کی ہیں۔ محسن کی قرآن واحادیث پر خاصی گرفت تھی۔ اسی باعث وہ آیتوں کے مفہوم اور قرآن کے واقعات وقصص کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ہے دور میں جس کے سحر باطل
افسوس ہے اسیر چاہ بابل
آہوئے رمیدہ ساحری ہے
اللہ کی گائے سامری ہے
تھیں منتظر جناب اطہر
عینین خلیل ابن آذر
کرتا تھا جو صرف میہمانی
خوان نعمائے من عصانی [۴]

مثنوی میں مقامی رنگ، نیچر، کردار نگاری اور فوق فطری عناصر کی تلاش کی گئی۔ سید محمد عقیل مثنوی کے ماخذ، موضوع، قصہ اور زبان و بیان کو تنقید میں شامل کرتے ہیں۔ موصوف مثنوی کے ماخذ پر بات کرتے ہوئے مرزا شوق کی مثنوی "ترانہ شوق" کو سحر البیان، گلزار نسیم اور طلم الفت کا چربہ قرار دیا ہے۔ ترانہ شوق کا قصہ مذکورہ بالا مثنویوں سے اخذ کیا گیا جس میں حسب ضرورت تبدیلی کر دی گئی ہے۔ مگر مرزا شوق کے مد نظر خاص طور پر گلزار نسیم رہی۔

عقیل رضوی کی تصنیف کے بعد خان رشید کی تنقیدی تصنیف "اُردو کی تین مثنویاں سحر البیان، قطب مشتری، گلزار نسیم" منظوم داستانوں کی تنقید پر دوسری کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں مثنوی کا تاریخی اور ارتقائی جائزہ مختصراً پیش کیا گیا۔ مثنوی سحر البیان کے تنقیدی جائزہ میں زبان و بیان، محاکات آفرینی اور سحر البیان کے محرکات و ماخذات بیان کیے ہیں۔ قطب مشتری کا تاریخی و سیاسی تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ مثنوی گلزار نسیم کا تاریخی و سیاسی جائزہ میں پس منظر عیاں کرتے ہوئے مثنوی کی شاعرانہ خوبیاں فرداً فرداً بیان کی گئی ہیں۔ خان رشید تنقید میں تعلیل کا بھر پور اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً گلزار نسیم کے اختصار کو عموماً عیب سمجھا جاتا ہے۔ موصوف کا خیال ہے یہ عیب ان لوگوں کی نظر میں ہے جو مثنوی کا جائزہ داستان گوئی کے اعتبار سے لیتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں سحر البیان اور گلزار نسیم کا بھر پور تقابل ہے۔

رضیہ سلطانہ نے کتاب "مثنوی سحر البیان ایک تہذیبی مطالعہ" کے آغاز میں مثنوی کا سیاسی و سماجی پس منظر اور مصنف کے حالات زندگی بیان کیے۔ سحر البیان کے اجزائے ترکیبی، پلاٹ، کردار نگاری، جذبات نگاری اور مکالمہ نگاری کا جائزہ لیا ہے۔ ہم عصر ناقدین سے ہٹ کر موصوفہ نے الگ انداز تنقید اپنایا۔ اس نے مرقع نگاری کے دو حصے مادی پہلو اور عینی پہلو بیان کیے۔ مادی پہلو میں منظر نگاری، سراپا نگاری اور تقریبات شامل ہیں جبکہ منظر نگاری اور ماحول کی تصویر کشی اور سراپا نگاری کو بھی اس کی اثر آفرینی میں کافی دخل ہے۔ قصّے کے معنوی ربط اور ذہنی تسلسل سے مناظر کا گہرا ربط ہوتا ہے۔ یہ کسی واقعہ کے بیان یا مرقع کی تزئین کے لئے صرف ایک تصویری چوکھٹے ہی کا نہیں بلکہ فضا یا پس منظر کا کام دیتے ہیں۔ وہ باغات کے مرقعوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ خانہ باغ کا حسین منظر دیکھیے۔

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گُل کہیں یاسمن

سحر البیان میں موجود عصری تہذیب روشن کی گئی ہے۔ یہ تصنیف دراصل مثنوی سحر البیان پر لکھنوی تہذیب و زندگی کے ہمہ گیر اثرات کا موثر ادبی جائزہ اور تنقیدی تبصرہ ہے جس سے اس مثنوی کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند کی معرکتہ الآرا تصنیف "اُردو مثنوی شمالی ہند میں" جلد اول، دوم گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ جس میں اُردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، مثنوی کے اوزان، اصول نقد، مثنوی کے موضوع اور ارتقا بیان کیا گیا ہے۔ شمالی ہند کی ابتدائی مثنوی افضل کی بکٹ کہانی قرار پائی ہے۔ گیان چند مثنوی کا ماخذ، تکنیک، منظر نگاری، کردار نگاری اور زبان و بیان کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ تنقید کا پلہ متوازن رکھتے ہوئے مثنوی کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی عیاں کرتے ہیں۔ جیسے آخری باب میں مرزا سودا کی مثنوی "اُمید و بیم" کا بڑا عیب اس کا انتشار و بے ربطی بتایا

ہے۔یہ قرینہ سے محروم ہے اور محض خیالات پریشان کا مرقع ہے۔ وہ مثنوی کی خوبیوں کے ضمن میں حسب ضرورت ناقدین کی آرا بھی درج کرتے ہیں۔ جیسے داغ کی مثنوی فریاد داغ کے متعلق رام بابو سکینہ کی رائے یہ ہے۔

"اس مثنوی کے بہت سے اشعار نہایت اعلیٰ درجے کے ہیں اور سادگی، روانی و عمدگی اُن کی قابل داد ہے"(۵)

گیان چند کی زیر تبصرہ کتاب "اُردو مثنوی شمالی ہند میں "منظوم داستانوں پر تحقیق و تنقید کی اہم کتاب ہے۔ یہ مثنوی کے تنقیدی سرمائے میں گراں قدر اضافہ ہے اور موضوعاتی اعتبار سے مثنوی کے ارتقا کی تاریخ ہے۔

عبدالقادر سروری کی تصنیف "اُردو مثنوی کا ارتقا" تحقیقی و تاریخی رنگ کی حامل ہے۔ اُردو مثنوی کے اولین نمونے تحقیق و تجسس سے سامنے لاتے ہوئے طویل تر مثنویوں بیان کی گئی ہیں۔ مغلیہ عہد کی متصوفانہ اور مذہبی مثنویاں بھی زیر بحث لائی گئیں۔ مزید براں زبان اور انداز بیان کی جو جو تبدیلیاں ابتدا سے اس وقت تک ہوئیں اُنھیں معرض تحریر میں لایا گیا۔ اس اعتبار سے یہ مختصر سی کتاب مثنوی کی ارتقائی تاریخ اور زبان کی عہد بہ عہد ترقی کے مطالعہ کا دیباچہ بھی ہے۔ اس میں غیر جانبدارانہ تنقیدی رویہ اپنایا گیا۔ خوبیوں کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت خامیوں سے بھی پردہ کشائی کی گئی۔ مثلاً عنوان "دور متوسط میں مثنوی کی ترقی" میں مرزا شوق کے قصوں کا بڑا عیب تنوع کا نہ ہونا قرار دیا ہے۔ یہ کتاب اُردو زبان و ادب کے قارئین و ناقدین کے لیئے راہیں ہموار کرے گی۔

فرمان فتح پوری "دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی مطالعہ "میں مذکور دونوں مثنویوں کے تقابل سے پہلے دریائے عشق کے ماخذات اور مماثلات منظر عام پر لاتے ہیں۔ ان دونوں مثنویوں کا متنوع پہلوؤں مثلاً بلحاظ اولین ملاقات کی منظر نگاری، ہیرو کے جذبات عشق اور دایہ کی مکارانہ چال کے تناظر میں تقابل کیا ہے۔ آخر میں ناقدین کی آرا کی روشنی میں دریائے عشق کا مقام و مرتبہ متعین کیا۔ مثلاً نثار احمد فاروقی کی رائے حسب ذیل ہے۔ دریائے عشق اور بحر المحبت کے انتخاب کے ضمن میں معاملہ میری ذات پر چھوڑ دیا جائے تو دریائے عشق ہی کو ترجیح دوں گا۔ بحر المحبت کے مرتب عبد الماجد دریا آبادی کے علاوہ کسی نے بھی بحر المحبت کے حق میں بیان نہیں دیا۔ عبد القادر سروری کے خیال میں:

"مصحفی کی مثنوی بحر المحبت کا قصہ میرؔ کی مثنوی دریائے عشق سے ماخوذ ہے۔ اس قصے کو لینے کا مقصد ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کو بڑھا چڑھا کر سحر البیان کے درجہ تک پہنچایا جائے لیکن وہ اپنی کوششوں اور موشگافیوں کے باوجود میر تک نہ پہنچ سکے"(۶)

ڈاکٹر نجم الہدیٰ کی تنقیدی نگارش "مثنوی کا فن اور اُردو مثنویاں" دو حصوں میں تقسیم ہے۔ حصّہ اول میں مثنوی کا فن اور حصہ دوم میں اُردو مثنویاں متنوع زاویوں سے سامنے لائی گئی ہیں۔ موصوف نے علاقائی مناسبت سے مثنویوں کا ارتقائی جائزہ لیا ہے۔ بیجاپور، گول کنڈہ، شمالی ہند اور بہار کی مثنوی نگاری میں اولین اور اہم مثنوی نگار بیان کیے ہیں۔ متصوفانہ، بزمیہ و رزمیہ اور اہم مثنویاں معہ سن تصنیف، موضوع اور اشعار کی تعداد لکھی ہے۔ جہاں اختلاف تھا اُسے فٹ نوٹ میں لکھا ہے۔ جیسے میر تقی میرؔ کی مثنویوں کی تعداد میں اختلاف ہوا۔ وہ ص (۹۰) کے فٹ نوٹ میں درج کیا گیا۔ سید محمد عقیل کے ہاں میر کی ۳۴ مثنویاں ہیں۔ نجم الہدیٰ کی مذکورہ کتاب منظوم داستان کی تنقید میں اہم اضافہ ہے۔ اس کتاب کے متعلق بجا کہا گیا ہے۔

> "اُردو مثنویوں کے ارتقا کا یہ تاریخی جائزہ دراصل صنف مثنوی کی اس استعداد اور پہنائی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جس کے متعلق اس کتاب کے آغاز میں استناد و استشہاد کے ساتھ دعویٰ کیا گیا۔۔۔ ہر چند اس تاریخی جائزے میں کوئی بات سرسری اور سطحی طور پر نہیں کہی گئی ہے۔۔۔ یہ محض اردو مثنویوں کی بلندی دپستی اور اس کے دائرہ اثر کا احاطہ کرنے کی بھرپور کوشش ہے۔ پھر بھی اس دریائے مواج کے آگے کراں تا کراں بند باندھنا محال تھا۔ نمائندہ رُجحانات اور نمائندہ تخلیقات پر اکتفا کر کے مثنوی کے تنوع اور عہد بہ عہد رفتار کی صرف نشاندہی کی گئی۔ اور اس نشاندہی میں تحقیق کی شرائط کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔۔۔ اُردو مثنوی کے آغاز وارتقا کی یہ رنگارنگ داستان ہمیں اپنے مخصوص مطالعہ کے لیے کسی ایک رنگ کا انتخاب کرنے میں بھی مدد پہنچاتی ہے" (۷)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی کتاب "مثنوی گلزار نسیم ایک تنقیدی مطالعہ" میں گلزار نسیم کے ماخذ، خلاصہ، علامتی سطح اور نفسیاتی تجزیہ کیا گیا۔ مثنوی کے نمائندہ کردار تاج الملوک اور بکاؤلی کے اجمالی اوصاف بیان کیے ہیں۔ نسیم نے مثنوی گلزار نسیم میں اپنے عہد کے پُورے تہذیبی تجربے کو اپنے تخلیقی عمل سے شعری وضع میں منتقل کر دیا ہے۔ یُوں لگتا ہے گلزار نسیم لکھنو کی مکمل تہذیبی روایت کو اپنی ذات میں مجتمع دکھاتی ہے۔ تبسم کاشمیری کے خیال میں۔

> "گلزار نسیم کو میں نے لکھنو کا سب سے خوب صورت شعری نابغہ کہا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس مثنوی میں ثقافت اور شعری وضع باہم مل کر مربوط ہوتے ہیں۔ نسیم کے ہاں یہ وحدت کیوں کر وجود میں آئی۔ اس کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔ منظر یہ ہے کہ بکاؤلی کا پھول تاج الملوک لے گیا ہے۔ اور صبح بیدار ہونے پر جب چوری کا انکشاف ہوتا ہے۔ تو بکاؤلی

گریہ زاری کرتی ہے۔ اُس کی آہ وبکا کو موثر بنانے کے لئے نسیم کی اختیار کردہ شعری وضع
کو بہت دخل ہے۔"

ہے ہے میرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے خار دے گیا کون (۸)

آخر میں بکاؤلی کے متعلق تنقیدی مباحث اجمالاً بیان کیے ہیں۔ تبسم کاشمیری کی کتاب موضوع کے لحاظ سے اہم تنقیدی سرمایہ ہے۔ یہ محققین وناقدین کے لیے مواد فراہم کرتی ہے۔

کندن لال کندن کی تصنیف "تاریخی مثنویاں تحقیقی وتنقیدی مطالعہ" میں مثنوی کے تحقیقی وتنقیدی جائزہ سے قبل مصنف کا سوانحی خاکہ اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔ موصوف نسخوں کی دستیابی اور نسخوں کی ذریت کا بھی پتہ دیتا ہے۔ مثنوی میں مذکورہ حالات وواقعات بھرپور انداز میں بیان کیے ہیں۔ ہر مثنوی کا فنی اور موضوعاتی جائزہ لیا گیا۔ گیان چند کے مثنوی کے لیئے بیان کردہ اصولوں کو پرکھ کا معیار بنایا گیا۔ مثنوی کی تاریخی وادبی حیثیت مستند حوالوں سے واضح کی ہے۔ جس سے مورخین وادبی ناقدین کو مثنوی کی تاریخی وسماجی حیثیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم کی کتاب "اُردو مثنوی مطالعہ اور تدریس" میں اُردو مثنوی کی تاریخ میں قائم تسلسل واضح کرنے کی جھجک دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کتاب کا مطالعہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں مثنوی کی تاریخ تصنیف، تحریر، مثنوی کی مدت اور قدیم مثنویوں میں نام کی صراحت جیسے اُمور زیر بحث لائے گئے۔ جنوبی اور شمالی ہندوستان کی پندرہ مثنویاں شامل انتخاب ہیں۔ موصوفہ بعض مثنویوں کا جزئیاتی مطالعہ سامنے لانے کی جستجو کی۔ مثلاً ابراہیم نامہ کے ۲۶ فصلوں کے عنوانات کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کتاب کے موضوعات بھی مطالعہ اور تدریس کے حوالے سے درج ہیں۔ طلباء کی سہولت کے لیے فرہنگ دی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب موضوع اورانداز کے اعتبار سے قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب طلباء کی تدریس کے لیئے بے حد مفید ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "اُردو کی بہترین مثنویاں" تحقیقی وتنقیدی رنگ کا مرقع ہے۔ زیر نظر کتاب میں سحر البیان، گلزار نسیم، اور زہر عشق کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ دلچسپ پیرائے میں کیا گیا۔ تنقیدی مطالعہ میں مثنوی کا پلاٹ، واقعات، کردار، جذبات نگاری، اور اسلوب بیان زیر بحث لائے گئے۔ داستان کا نفس مضمون اور خلاصہ بیان کرتے ہوئے مذکور مثنوی کا مقام ومرتبہ ناقدین کی آرا کے تناظر میں متعین کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جیسے نیاز فتح پوری رقم طراز ہیں کہ

"جو درجہ زہر عشق کو حاصل ہوا ہے وہ کسی اور مثنوی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور اس کی پسندیدگی میں آنسوؤں کا جتنا خراج نواب مرزا شوق کو مل چکا ہے۔ وہ قدر و قیمت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کہ اس کا منہ اس کے انجام میں موتیوں سے بھرا جاتا"(۹)

فرمان فتح پوری کی زیر تبصرہ کتاب اس اعتبار سے گراں قدر ہے کہ اس میں متنوع ناقدین نے ان مثنویوں کے تقابل اور مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے مجنوں گورکھپوری نے زہر عشق کو گوئٹے کی تصنیف "آلام ورتھر" Sorrow of werther کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ یہ کاوش منظوم داستانوں پر تنقید کی روایت میں ایک چنوتی رکھتی ہے۔

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کی تصنیف "اُردو کی چند نایاب مثنویاں" اپنے طرز کی واحد کتاب ہے جس میں اُردو ادب کی چند نایاب مثنویوں کو منظر عام پر لایا گیا۔ ان مثنویوں کے مخطوطے بڑی تگ و دو اور تندہی سے تلاش کرتے ہوئے مثنوی کے خالق کے حالات زندگی پر بھی تحقیق کی ہے۔ جیسے مثنوی احوال قادر ولی میں قادر ولی کی ولادت سے وفات تک کے حالات و واقعات بڑی دلچسپی سے بیان کیے گئے۔ شامل کتاب مثنوی کے لسانی و فنی پہلو سامنے لائے گئے۔ زیر نظر کتاب میں تحقیقی رنگ غالب ہے اور تنقید کم۔ یہ تصنیف اُردو ادب میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔

فرمان فتح پوری کی کد و کاوش "اُردو کی منظوم داستانیں" کے آغاز میں منظوم داستانوں کی قدامت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اُردو میں منظوم داستانوں کا آغاز اور قدیم دکنی منظوم داستانیں زمانی ترتیب سے تحریر کی گئی ہیں۔ شخصی اور غیر شخصی منظوم داستانیں موضوع بحث بنی ہیں۔ طویل اور اہم منظوم داستانوں مثلاً سحر البیان، گلزار نسیم، اور طلسم الفت کو بھی ضخیم داستانوں کے ذیل میں تنقیدی مطالعہ کا حصہ بنایا گیا۔ آخر میں منظوم داستانوں کے عروج و زوال کی کہانی بیان کی ہے۔ فرمان فتح پوری کی زیرِ نظر کتاب پر تحقیقی غلبہ زیادہ ہے البتہ کہیں کہیں داستان کے فن پر تنقید کی گئی۔ یہ تصنیف ادب کے طالب علموں اور منظوم داستان کے غواصیوں کے لیئے بے حد مفید ہے۔

وہاب اشرفی نے تصنیف "میرؔ اور مثنویات میر" میں اُردو مثنوی کا ارتقاعہد میرؔ تک اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔ میر تقی میرؔ کی مثنویاں موضوعاتی اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔ ان مثنویوں کے موضوعات (عشقیہ، واقعاتی، مدحیہ اور ہجویہ) ہیں۔ موصوف نے میرؔ کی مثنویوں میں زمانے کے خد و خال کے علاوہ میرؔ کی زبان پر بھی بات کی ہے۔ میرؔ کی زبان کی خصوصیات گنوائی گئی ہیں۔ ان خصوصیات میں اولین الفاظ کی وضاحت ہے۔ وہ حسب حال مناسب الفاظ چُن کر اپنے کلام میں نگینے کی طرح جڑتے ہیں۔ ایسا وسیع المعنی لفظ جس سے چند الفاظ کے استعمال کی ضرورت باقی نہ رہے۔ مثلاً میر کا ایک شعر ہے:

مجلسوں میں رات ایک تیرے پر توے بغیر
کیا شمع، کیا پتنگ ہر ایک بے حضور تھا
یہی مضمون درد کے ہاں بھی ملتا ہے
رات مجلس میں تیرے حُسن کے شعلے کے حضور
شمع کے مُنہ پر جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا (۱۰)

لفظ "پر توے" کا استعمال اتنا موزوں اور مناسب ہے کہ جس کے بعد نہ کسی اضافت کی ضرورت اور نہ کسی تفصیل کی۔ "پر توے" میں پورا سراپا، زلف وُرخ، اور تمام تر رعنائیاں اپنے جلووں کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن خواجہ میر دردؔ کے شعر کا جوش اور ولولہ انگیز تاثر کم ہے۔ زیر نظر کتاب موضوع و مواد کے اعتبار سے مفید اور قابل اعتبار ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی کتاب "ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں" چار ابواب پر مبنی ہے۔ انتظار حسین نے نارنگ کے اس تحقیقی کارنامہ کو کال کوٹھڑی کا تالا توڑنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ باب اول میں پورانک قصے زیر بحث لائے گئے۔ باب دوم میں قدیم لوک کہانیاں مثلاً مثنوی کدم راو پدم راو، مثنویات سنگھاسن بتیسی اور مثنوی گوپی چند کے تحقیقی مباحث سامنے لائے گئے۔ باب سوم نیم تاریخی قصوں کو تحقیقی و تنقیدی انداز سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ آخری باب ہند ایرانی قصے میں مثنوی پھول بن، مثنوی سحر البیان اور گلزار نسیم کے بابت تحقیق کی گئی۔ نارنگ کی اس تصنیف میں تحقیقی کوائف زیادہ ہیں۔ اس میں اُردو شاعری کا سارا نقشہ ہی منقلب نظر آتا ہے۔ نیاز فتح پوری نے زیر نظر کتاب کی اہمیت تھوڑے الفاظ میں واضح کی ہے۔

"صنف مثنوی پر اس وقت تک بہت کُچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر نارنگ کی یہ تصنیف زورِ دگر ست ایں کماں را۔۔" (۱۱)

موصوف کی تصنیف میں تنقید خال خال نظر آتی ہے۔ کتاب کے آخر میں قارئین کی سہولت کے لئے اشاریہ درج ہے۔ اشاریہ کے بعد کتاب کے بارے میں مشاہیر کی آرا تحریر ہیں۔ سید احتشام حسین کی رائے زیر نظر کتاب کے متعلق یوں ہے۔

"موضوع کی حد بندی اور تہذیبی اہمیت نے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی زیر نظر کتاب کو امتیازی حیثیت دے دی ہے۔ کیونکہ اس وقت تک اُردو مثنویوں کا یہ پہلو نگاہوں سے اوجھل تھا۔ ڈاکٹر نارنگ اُردو کے محققوں میں اپنا ایک مقام بنا چکے ہیں۔ ان کی اس کتاب نے ادبی مطالعے کے ایک نئے زاویے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شعر و ادب ملکی تہذیب

کی پوری تصویر بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ ڈاکٹر نارنگ کی سعی و جستجو سے اس مطالعہ کے لیئے زمین ہموار ہو گئی ہے"(۱۲)

پروفیسر وہاب اشرفی کی تنقیدی کاوش "قطب مُشتری اور اس کا تنقیدی جائزہ" میں سب سے پہلے صنف مثنوی پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مثنوی کے فن، ماجرا نگاری، کردار نگاری اور منظر نگاری / شاعری پر تنقید کی گئی ہے۔ موصوف نے قطب مشتری پر تنقید کرتے ہوئے وجہی کا نظریہ فن و نقد بھی واضح کیا۔ اس نے قطب مشتری کے اکہتر اشعار پر مشتمل ایک باب "در شرح شعر گوید" میں اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ یہ توضیح اس قدر مکمل ہے کہ وجہی کو شاعری کا مستند نقاد تسلیم کرنے میں توقف کی ضرورت نہیں۔ وجہی کے نزدیک صاحب طرز ادیب یا شاعر کا بلند مرتبہ ہے۔ وجہی کی تفصیل ان نکات کی وضاحت ہے۔

"یو بولیا ہوں سب گنج نارنج ہے
اجھوں میرے دل میں بھوت گنج ہے
ہوا جیو جب شعر یو بولنے
خزینے لگیا غیب کے کھولنے"(۱۳)

"مثنوی سحر البیان شعری داستانوں کا ارتقا" رانا خضر سلطان نے مرتب کی ہے۔ مقدمہ کے آغاز میں قصص کا آغاز و ارتقا اس طرح بیان کیا کہ ہزاروں سال قبل انسان اشاروں اور علامات کے وسیلے سے اپنی بات کا دوسروں تک ابلاغ کرتا تھا۔ یہ عمل جب زبان کی تشکیل کے دور میں داخل ہوا تو قصہ گوئی کے خدوخال ابھرنے لگے۔ نیم مہذب لوگ مل بیٹھ کر ایک دوسرے کو اپنے تجربات اور مشاہدات شئیر کرنے لگے۔ تو قصہ گوئی ارتقائی مراحل طے کرنے لگی۔ داستانوں کی اہمیت اور افادی پہلو پر روشنی ڈالی گئی۔ مقدمہ کا اختتام سحر البیان کے تنقیدی مباحث قصہ، کردار نگاری اور منظر نگاری پر ہوا ہے۔ میر حسن کی زبان بیان کی خوبیاں ایجاز و اختصار اور بلاغت گنوائی گئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد یار گوندل کی کتاب "مثنویات میرؔ تحقیق و تنقید" پانچ ابواب کی حامل ہے جن میں مثنوی کا تعارف اُردو مثنوی کا ارتقاء حالات میرؔ اور آخر میں مثنویات میر پر تنقیدی مباحث ہیں۔ میرؔ کی مثنویات چار حصوں عشقیہ، واقعاتی، مدحیہ اور ہجویہ پر مشتمل ہیں۔ ساتھ ساتھ مثنویوں کے قصہ، کردار، جذبات نگاری، جزئیات نگاری اور سراپا نگاری بیان کرتے ہیں۔ فنی و فکری جائزہ بھی لیا ہے۔ حسب ضرورت ناقدین کی آراء سے استفادہ کیا ہے۔ موصوف میر کی مثنوی میں عشقیہ محرکات، سراپا نگاری اور کہانی پر میرؔ کی گرفت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جہاں تک میر کی مثنویوں کے اسلوب کا تعلق ہے۔ تو محمد یار گوندل کی یہ رائے بڑی صائب معلوم ہوتی ہے کہ

"میر کی عشقیہ مثنویاں نہایت صاف رداں اور آورد سے پاک ہیں۔ ان کے بیان کی سلاست اور روانی سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے قصداً کسی چیز کے بیان کا اہتمام نہیں کیا بلکہ بے تکلفانہ جو ذہن سے نکلتا گیا اس کو سپردِ قلم کرتے چلے گئے "(۱۴)

وہاب اشرفی کی نگارش "مثنوی اور مثنویات "ایک انتخاب اور تجزیاتی کتاب ہے۔ اُردو کی تقریباً ساٹھ متنوع موضوعات کی مثنویوں کے موضوع واسلوب اور منتخب اشعار تحریر کیے گئے۔اس کے علاوہ اردوادب کی چھ مشہور مثنویوں کا مختصر تنقیدی تجزیہ اور مکمل متون سامنے لایا گیا۔ ان مخصوص مثنویوں کے تجزیاتی مطالعہ کا سبب کہیں تحریر نہیں کیا گیا۔ موصوف کا ذوق تجسس بیدار اور نگاہ تیز ہے کیونکہ جتنی مثنویات شامل کتاب ہیں یہ معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ ناقدین کی آرا سے دلائل کو مستند بنایا گیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اختصار کے باوجود کئی اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔اس میں مثنویوں اور منظوم داستانوں کے ناقدین اور شائقین کے لیے وافر مواد موجود ہے۔

ڈاکٹر محی الدین کی تصنیف "مثنویات میرؔ کا تنقیدی مطالعہ " میں میر تقی میرؔ کے سوانحی حالات احاطہ تحریر میں لائے گئے۔ مثنویات میر کا تنقیدی مطالعہ چار عنوانات کے تحت کیا گیا۔اس میں مثنویات میرؔ کا عمومی اور سرسری جائزہ ہے۔ یہ کتاب پیش لفظ میں واضح کیے گئے مقصد "میرؔ کی مثنوی نگاری کا مطالعہ صنف مثنوی کے تحقیقی وتنقیدی امکانات کو اجاگر کرنا" پر پوری اُترتی ہے۔ موصوف نے مثنوی کا موضوع واضح کرتے ہوئے منظر نگاری اور زبان وبیان کا ذکر کیا ہے۔عشقیہ مثنویوں کے ماخذات بھی سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ مثنویات میرؔ کا یہ تنقیدی مطالعہ بے حد دلچسپ اور اہم ثابت ہو گا۔

ڈاکٹر اشہد کریم الفت نے تصنیف "اُردو مثنویوں کا مکالماتی نظام (تنقید و تحقیق)" میں اُردو مثنوی کا اجمالی تاریخی مطالعہ پیش کرتے ہوئے کردار اور مکالمہ کی اہمیت متعدد مثنویوں کی روشنی میں واضح کی ہے۔ اُردو مثنویوں میں مکالمات کا بالخصوص مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، قطب مشتری، سحر البیان، گلزار نسیم، زہر عشق اور سوز و گداز کے تناظر میں مطالعہ کیا گیا۔ ان مثنویوں کے مکالمات بطور حوالہ پیش بھی کیے گئے۔ مثلاً مثنوی سحر البیان میں بے نظیر جب پہلی مرتبہ بدر منیز کے باغ میں اُترتا ہے تو کنیزوں کو بے نظیر کیسے نظر آتا ہے۔اس کو میر حسن یوں پیش کرتے ہیں۔

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ
ہوئی صُبح، شب کا گیا اُٹھ حجاب
درختوں میں نکال ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے

کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے [۱۵]

زیر نظر کتاب اُردو کی منظوم داستانوں کے تنقیدی سرمائے میں اہم اضافہ ہے۔ یہ اپنے موضوع کے لحاظ سے نئی اور دلچسپ ہے۔ متعدد منظوم داستانوں کے مکالمات بطور مثال پیش کیے گئے ہیں۔ مکالمات کی زبان سے مکالمات کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں موصوف نے مکالمات کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی ہے۔

"مثنویوں میں مکالمات کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ مکالمے اگر حُسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ تو اس کی معنی خیزی کو بھی آسمان پر پہنچا دیتے ہیں۔ عُمدہ اور پُرکشش مکالمے مثنویوں کو عام گفتگو کی میز تک لے آتے ہیں اور حوالوں میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ آج بھی جب کسی مثنوی کا ذکر چھڑتا ہے تو اس کا نہ تو پلاٹ فوری طور پر ذہن میں اُبھرتا ہے۔ نہ کرداروں کے کسی بانکپن سے مثنوی کی یاد آتی ہے۔ بلکہ اس کے زبان و بیان کے سرور اور کیف بکھیرتے اشعار ذہن کی سطح پر اُبھرتے ہیں۔۔۔" [۱۶]

ڈاکٹر اختر ہاشمی کی تحقیق و تالیف "اُردو مثنوی کا ارتقاء (میر حسن سے فضا اعظمی تک)" میں مثنوی کا پس منظر، مثنوی کی ابتداء، مثنوی کے ابتدائی شعرا اور ہندوستان میں مثنوی کے آثار و اظہار سامنے لائے گئے ہیں۔ مثنوی معراج نامہ کے تحقیقی و تنقیدی مباحث ناقدین کی آرا کے تناظر میں بیان کیے ہیں۔ فضا اعظمی کی مثنوی "زوال آدم" کے فکر و موضوع پر کُھل کر بات کی ہے۔ فضا اعظمی نے آج کے زمانے کی نئی منظوم تاریخ لکھی ہے جس میں ماضی کا عکس اور جو حال کا آئینہ ہے۔ یہ مثنوی قیامت خیز دھماکے کے مماثل ہے۔ جسے پڑھ کر دل دہل اُٹھتا ہے۔ موصوف کے اس شہ پارے میں کشاکش ہے، انکشاف ہے اور ماضی، مستقبل اور خصوصیت سے حال کی فکری وحدت ہے۔

اختر اعظمی کی کتاب "اُردو مثنوی کا ارتقار (میر حسن سے فضا اعظمی تک)" میں تحقیقی رنگ غالب ہے۔ یہ موصوف کے دقیق مطالعہ کا واضح ثبوت ہے۔ اس کتاب کی قدر و قیمت مذکورہ کتاب کے پشت فلیپ پر شاعر علی شاعرؔ مدیر عالمی رنگ ادب کراچی نے ان لفظوں میں بیان کی ہے۔

"اُردو مثنوی کا ارتقا کے نام سے اور بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ مگر ڈاکٹر اختر ہاشمی کی اس تالیف کی انفرادیت "میر حسن سے فضا اعظمی تک" کا جائزہ ہے۔ اسی انفرادیت کی وجہ سے جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن پاکستان کے چند نقادوں کے ہاتھوں میں پہنچا تو نہ صرف انہوں نے مثبت آرا کا اظہار کیا بلکہ ڈاکٹر اختر ہاشمی کے اس تحقیقی اور علمی کام کو پسند بھی کیا۔۔۔ ڈاکٹر اجمل نیازی اور پروفیسر رئیس فاطمہ نے اس کتاب پر اپنے عُمدہ خیالات کا

اظہار بھی کیا اور اسے اُردو ادب میں ایک وقیع سرمایہ قرار دیا۔۔۔ میں ڈاکٹر اختر ہاشمی کو ایسا تحقیقی اور علمی کام سر انجام دینے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔۔۔"(۱۷)

سید جلال الدین کی کدوکاوش "تاریخ مثنویات اُردو" میں سلسلہ وار اُردو مثنویوں کی ارتقائی تاریخ لکھتے ہوئے مثنویوں کے ادوار اور زبان کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس انتخاب میں ہر دور کی کسی اعتبار سے اہم مثنوی کو منتخب کیا ہے۔ مذکور مثنوی کا مضمون، مقصد خاص اور مثنوی کی زبان و بیان کی خوبیاں سامنے لائی گئیں۔ دراصل اس مجموعہ میں جتنے انتخاب مثنویات کے درج ہیں۔ وہ اُردو شعرا کی تمام مثنویوں کے خلاصہ نہیں۔ اگرچہ چند نامور اساتذہ کی مثنویاں مدنظر رکھ کر اُردو مثنویوں کے ہر دور کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب دراصل اُردو مثنویات کی ارتقائی تاریخ ہے۔ جس میں بطور انتخاب سولہ مثنویاں ہیں جو اپنے عہد کی نمائندہ مثنویاں ہیں۔ یہ انتخاب ہر اعتبار سے مفید اور گراں قدر خدمت ہے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقیدی کاوش "سحر البیان ایک تنقیدی مطالعہ" میں مثنوی سحر البیان کی کہانی، پلاٹ، مناظر فطرت، انسانی فطرت، کردار، المیہ اور طربیہ پہلوؤں کو زیر بحث لاتے ہیں۔ سحر البیان کے نمایاں پہلو مخصوص معاشرتی اور تہذیبی ماحول کی ترجمانی کا اظہار بھی کیا ہے۔ سحر البیان کے بابت ڈاکٹر عبادت بریلوی کی رائے موقر اور مُستند ہے۔

"سحر البیان زندگی، تہذیب، معاشرت، انسانی جذبات اور انسانی زندگی کی اعلیٰ اور ارفع اقدار کا ایک نہایت ہی حسین مرقع ہے۔ اس میں انسان کے نشیب و فراز کو انسانی زاویہ نظر سے جس طرح رچے ہوئے فن کارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کو دیکھ کر میر حسن کے ان خیالات سے اتفاق کرنا ہوتا ہے کہ یہ مثنوی واقعی سحر البیان ہے۔ اس میں انہوں نے صحیح معنوں سے سخن کا دریا بہا دیا ہے۔۔۔"(۱۸)

عبادت بریلوی کی زیر نظر کتاب مثنوی سحر البیان پر اہم اور وقیع تنقیدی سرمایہ ہے۔ موصوف زیر نظر کتاب میں کہیں بھی حوالہ نہیں دیتے۔ شاید وہ حوالہ کے بغیر ہی اپنی بات مُستند سمجھتے ہیں۔ تحقیق و تنقید کے اس مرد میدان کی کاوش "سحر البیان ایک تنقیدی مطالعہ" موضوع کی حدبندی اور مواد کے اعتبار سے قابل قدر تنقیدی سرمایہ ہے۔ یہ کتاب منظوم داستان بالخصوص مثنوی سحر البیان پر تحقیقی و تنقیدی کام کرنے والوں کے لیے راہنمائی فراہم کرے گی اور حوالہ کا کام بھی دے گی۔

حوالہ جات

۱. ڈاکٹر مسیح الزماں، اُردو تنقید کی تاریخ، لکھنو، اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۶۶ء ص ۴۰

٢. ڈاکٹر اختر ہاشمی، اُردو مثنوی کا ارتقا، کراچی، رنگ ادب پبلی کیشنز ٢٠١٢ء ص ٤١٣

٣. الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر وشاعری، لاہور، کشمیر کتاب گھر، س۔ن، ص ١٧٩-١٧٨

٤. محمد عقیل رضوی، اُردو مثنوی کا ارتقا، لکھنو، اتر پردیش اردو اکادمی، ١٩٥٥ء ص ٢٤٦

٥. گیان چند، اُردو مثنوی شمالی ہند میں جلد دوم نئی دلی، انجمن ترقی اُردو (ہند) ١٩٨٧ء ص ٢٦٦-٢٦٥

٦. فرمان فتح پوری، دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی مطالعہ۔ لاہور، آئینہ ادب، ١٩٧٢ء ص ٦٥

٧. نجم الہدیٰ، مثنوی کا فن اور اُردو مثنویاں، پٹنہ، دی آرٹ پریس سلطان گنج، ١٩٧٦ء ص ١٢٧-١٢٦

٨. ڈاکٹر تبسم کاشمیری، مثنوی گلزار نسیم ایک تنقیدی مطالعہ، لاہور، مکتبہ عالیہ، ١٩٧٦ء ص ٣٦

٩. فرمان فتح پوری، اُردو کی بہترین مثنویاں، لاہور، نذیر سنز پبلشرز ١٩٩٣ء ص ١٨١

١٠. وہاب اشرفی، میرؔ اور مثنویات میرؔ، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ٢٠٠٣ء ص ١٨٥

١١. گوپی چند نارنگ، ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ٢٠٠٣ء ص ٣٦٢

١٢. ایضاً، ص ٣٦٢۔

١٣. وہاب اشرفی، قطب مُشتری اور اس کا تنقیدی جائزہ، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ٢٠٠٤ء ص ١٠٣-١٠٢

١٤. ڈاکٹر محمد یار گوندل، مثنویات میر (تحقیق وتنقید)، فیصل آباد، مثال پبلشرز ٢٠٠٨ء ص ١٤-١٣

١٥. ڈاکٹر اشہد کریم الفت، اُردو مثنویوں کا مکالماتی نظام، دہلی ایچ۔ ایس آفسٹ پرنٹرس۔ ٢٠١١ء ص ٢٣٣

١٦. ایضاً ص ٣٠٥

١٧. ڈاکٹر اختر ہاشمی، اُردو مثنوی کا ارتقاء میر حسن سے فضا اعظمی تک، کراچی، رنگ ادب پبلی کیشنز ٢٠١٢ء پشت فلیپ

١٨. ڈاکٹر عبادت بریلوی، سحر البیان ایک تنقیدی مطالعہ، لاہور، یونیورسٹی اورنیٹل کالج، س۔ن ص ٦٦

References in Roman Script:

1. Dr. Maseeh ul Zaman, Urdu Tanqeed ki tareekh, Lakhnu, Utar Pardesh, Urdu Academy, 1966, Page 40.
2. Dr. Akhtar Hashmi, Urdu Masnavi ka Irtika, Karachi, Rang Adab Publications, 2012, Page 413
3. Altaf Hussain Hali, Muqadma, Sher o Shariri, Lahore, Kashmir Kitab Ghar, C Noon, Page 178-179
4. Muhammad Aqeel Rizvi, Urdu MAsnavi ka Irtika, Lakhnoo, Utar Pardesh, Urdu Academy, 1955, Page 246.
5. Gian Chand, Urdu Masnavi Shumali Hind Main Jild Daom, New Dehli, Anjuman Taraqi Urdu (Hind) 1987, Page 256-266
6. Farman Fateh Puri, Dareyaey Ishq or Bahar almuhabat ka taqabli mutalia, Lahore, Aaina Adab, 1972, Page 65

7. Najam ul Huda, MAsnavi ka fan or Urdu Masnavian, Patna, The Art Press Sultan Ganj, 1972, Page 126-127
8. Dr. Tabassum Kashmeri, Masnavi Guzar Naseem Ek Tanqeedi Mutalia, Lahore, Maktaba Aaliya, 1976, Page 36
9. Farman Fateh Puri, Urdu ki behtreen Masnvian, Lahore, Nazir Publishers, 1993, Page 181
10. Wahab Ashrafi, Meer or Masniviat Meer, Dehli, Educational Publishing House, 2003, Page 185
11. Gopi Chand Narang, Hindustani Qisson sy makhooz Urdu Masnavian, Lahore, Sangmeel Publications, 2003, Page 362
12. Ibid, Page 362
13. Wahab Ashrafi, Qutab Mushtari or us ka tanqeedi jaiza, Dehli Educational Publishing House, 2004, Page 102-103
14. Dr Muhammad Yar Gonda, Masnaviat Meer (Tahqeeq wa Tanqeed) Faisalabad, Misal Publishers, 2008, Page 13-14
15. Dr. Ashad Karim Ulfat, Urdu Masnavion ka Mukalmati Nizam, Dehli, H S Officest Printers, 2011, Page 233
16. Ibid, Page 305
17. Dr. Akhtar Hashmi, Urdu Masnavi ka irtiqa Meer Hasan sy Fiza Azmi tak, Karachi, Rang Adab Publications, 2012, Pusht Faleep
18. Dr. Ibadat Barelvi, Sehar ul Beyan Ek Tanqeedi Mutalia, Lahore, Univeristy Oriental College, CN Page 66